28

رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت واحترام کو ملحوظ رکھنا ہمارا فرض ہے

(فرمودہ 19 نومبر 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں آج ایک دو ضروری امور کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن رات سے یکدم نزلہ کا حملہ ہؤا ہے اس وجہ سے گلے میں خراش کی تکلیف ہے اور کھانسی ہے اور ضعف بھی ہے اس لئے صرف ایک امر کے متعلق کچھ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ کسی دوست سے کسی مجلس میں یہ سوال کیا گیا کہ مفتی محمد صادق صاحب نے ذکرِ حبیبؑ کے متعلق جو کتاب لکھی ہے اس کے بارہ میں اس کی کیا رائے ہے اور مفتی صاحب کو ایک مؤرخ کی حیثیت سے وہ کیا سمجھتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایک مؤرخ کی حیثیت سے مفتی صاحب کو سند نہیں مانتا۔ ان کا حافظہ اس قسم کا نہیں کہ کسی کے سوانح لکھنے کے وہ قابل ہوں۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی کتاب ذکر حبیبؑ میں جو باتیں لکھی ہیں کیا وہ سب کی سب میرے لئے یا دوسرے احمدیوں کے لئے قابلِ تسلیم ہیں تو میں کہوں گا کہ ہرگز ساری کی ساری باتیں قابلِ قبول نہیں ہیں۔ لیکن جہاں تک سند ہونے کا سوال ہے مفتی صاحب کو جو لمبی صحبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی میسر آئی ہے اور جس طرح انہوں نے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کا زمانہ پایا ہے اس کے پیش نظر ایک نوجوان کا جسے اس کا کروڑواں حصہ بھی میسر نہیں آیا اس قسم کا فقرہ کہنا قابلِ شرم بات ہے۔ اس جواب سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تک تاریخ دانی کا سوال ہے اس نوجوان کو علم تاریخ سے کوئی واقفیت نہیں اور جب کسی شخص کو کسی علم کی واقفیت نہ ہو تو جب اس سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کا تعلق اس علم سے ہو تو اس کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں اس میدان کا سوار نہیں ہوں۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو ہر فن مولا ظاہر کرنا چاہے اور تیس مار خان بننا چاہے اور یہ بتانا چاہے کہ اس سے جو بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکتا ہے تو بڑی مشکل پیش آسکتی ہے۔ واقعات اور چیز ہیں اور علم دوسری چیز ہے۔ واقعات میں تو جھوٹے سچے کا فرق معلوم ہو سکتا ہے۔ ایک واقعہ ہوتا ہے ایک شخص اسے صحیح طور پر بیان کر دیتا ہے اور دوسرا اسے غلط رنگ میں پیش کرتا ہے۔ مگر علم ایسی چیز ہے کہ چونکہ اس کا تعلق واقعات سے نہیں ہوتا اس لئے یہ جائز نہیں ہوتا ہم اپنی مرضی سے جو رائے چاہیں قائم کر لیں۔ اسی لئے رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے تفسیر بالرائے سے منع فرمایا ہے۔ بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ اس ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ جو تفسیر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بیان فرمائی ہے اس پر اکتفا کیا جائے اور جو تفسیر احادیث میں آئی ہے صرف وہی بیان کی جائے مگر یہ صحیح نہیں۔ اگر صرف اس تفسیر پر اکتفا کیا جائے جو احادیث میں بیان شدہ ہے تو قرآن کریم کا نصف سے زیادہ حصہ بغیر تفسیر کے رہ جائے گا کیونکہ نصف سے زیادہ حصہ قرآن کریم کا ایسا ہے جس کی کوئی تفسیر آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے مروی نہیں اور جن حصوں کی تفسیر مروی ہے وہ بھی تمام پہلوؤں کے متعلق نہیں۔

پس اگر تفسیر بالرائے کی ممانعت کے حکم کے یہی معنی لئے جائیں کہ جو تفسیر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بیان کی ہے صرف وہی بیان کی جائے آگے نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم قرآن کریم کی تفسیر کسی کے آگے بیان کر ہی نہیں سکتے۔ اگرچہ ہم واقعات سے ثابت کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم کا نصف سے زیادہ حصہ ایسا ہے جس کی کوئی تفسیر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے مروی نہیں مگر میں کہتا ہوں جانے دو اس بات کو، اور فرض کرو کہ صرف ایک

آیت ہی ایسی ہے جس کی تفسیر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی نہیں تو ہم جب بھی اس آیت پر پہنچیں گے ہمیں کہنا پڑے گا کہ اس کا مطلب ہمیں معلوم نہیں۔ صاف عربی الفاظ ہوں گے، لغت میں وہ موجود ہوں گے لیکن اگر تفسیر بالرائے کی ممانعت کا مطلب یہ لیا جائے کہ جو تفسیر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی نہیں وہ بیان نہ کی جائے تو اس آیت پر پہنچ کر ہمیں کہنا پڑے گا کہ اس کا مطلب ہمیں معلوم نہیں۔ اور اگر کوئی ایک آیت بھی ایسی ہو تو اسلام اور ایمان کا کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ مگر واقع یہ ہے کہ قرآن کریم کا نصف سے زیادہ حصہ ایسا ہے جس کی کوئی تفسیر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی نہیں۔ پس لازماً تفسیر بالرائے کی ممانعت کے حکم کے اور معنے کرنے پڑیں گے اور وہ معنی یہ ہیں کہ سیاق سباق اور دوسری سب چیزیں جو قرآن کریم کے معانی کو حل کرنے کے لئے ضروری ہیں مثلاً لغت، نحو، صرف، عقل، مشاہدہ، خدا تعالیٰ کا قانون اور قرآن کریم کی دوسری آیات سب کو ملحوظ رکھتے ہوئے معنے کئے جائیں۔ اس طرح جو تفسیر کی جائے گی وہ تفسیر بالرائے نہیں کہلا سکتی۔ خواہ وہ معنے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نہ کئے ہوں اور پھر یہ اصول بھی تو درست نہیں کہ جو معنے کسی نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف منسوب کئے ہوں ان کو ضرور مان لیا جائے خواہ وہ لغت، نحو، صرف، عقل، مشاہدہ اور قرآن کریم کی دیگر آیات کے خلاف ہوں۔ آخر جھوٹے راوی بھی تو ہوتے ہیں۔ فرض کرو کوئی راوی رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف ایسے معنے منسوب کرتا ہے جو لغت کے مطابق نہیں تو کیا محض اس لئے کہ وہ روایت میں آ گئے ہیں ہم انہیں مان لیں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ ایسی صورت میں ہم صرف یہ کہیں گے کہ یہ راوی جھوٹا ہے۔ خود رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنی جگہ آگ میں سمجھے۔[1] پس تفسیر بالرائے کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جو معنے کئے جائیں وہ لغت کے مطابق ہوں۔ اگر کوئی راوی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف کوئی ایسے معنی منسوب کرتا ہے جو لغت کے خلاف ہیں تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپؐ نے جو معنے کئے وہ غلط ہیں بلکہ یہ کہیں گے کہ راوی جھوٹا ہے اور اس نے آپؐ کی طرف غلط معنے منسوب کئے ہیں۔ آپؐ عرب تھے اور آپؐ پر قرآن کریم جیسا فصیح کلام نازل ہؤا۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپؐ کوئی

ایسے معنے بیان فرمائیں جو لغت کے مطابق نہ ہوں۔ دنیا میں لوگ اچھے شاعروں کے اشعار یاد کرتے ہیں تو ان کی زبان فصیح ہو جاتی ہے۔ پھر کون احمق کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم جیسا فصیح کلام نازل ہو اور آپؐ کی زبان فصیح نہ ہو۔ ہندوستان میں لوگ غالب اور ذوق کے اشعار یاد کرتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتابیں پڑھتے ہیں اور ان کی زبان فصیح ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان 23 سال تک اللہ تعالیٰ سے عربی میں کلام حاصل کرنے کے باوجود فصیح نہ ہو۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ عربی سے ناواقف تھے وہ یا تو پاگل ہے اور یا ایمان سے خالی ہے اور جو آپؐ کی طرف کوئی ایسے معنے منسوب کرتا ہے جو لغت کے مطابق نہ ہوں وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے اور یا نادان ہے۔ اس نے بات کو سمجھا نہیں۔ بعض اوقات ایک آدمی سمجھدار ہوتا ہے مگر کسی وقت بات سمجھنے میں غلطی کرتا ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر کوئی غلط معنے منسوب کرتا ہے تو اسے ہم تفسیر من الرسولؐ نہیں کہیں گے بلکہ کہیں گے کہ یہ آپؐ پر افتراء ہے اور جو معنے لغت، نحو، صرف، علم معانی اور علم بیان، عقل، مشاہدہ اور انبیاء گزشتہ کے طریق کے مطابق ہوں، قرآن کریم کی دوسری آیات کے مطابق ہوں وہ گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہ ہوں وہ تفسیر بالرائے نہیں ہو گی بلکہ اصلی اور حقیقی تفسیر ہو گی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ ہی سمجھی جائے گی۔ روایتوں میں انسان غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ ایسے راوی بھی جو بڑے واقف اور سمجھدار ہوتے ہیں بعض اوقات غلطی کر جاتے ہیں۔ بعض باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ لیکن یہ اور بات ہے۔ بہر حال جہاں تک علوم کا تعلق ہے ہر شخص ان کا اتنا واقف نہیں ہوتا کہ کسی کے متعلق فیصلہ کر سکے۔ تاریخ ایک پیچیدہ علم ہے۔ اس کے لئے علم النفس اور قومی رسوم و رواج سے واقفیت ضروری ہوتی ہے۔ پھر جس شخص کو اس ماحول کا علم نہ ہو جس میں وہ باتیں ہو رہی ہیں یا جسے ان باتوں کا پتہ نہ ہو جو کسی واقعہ کے پس پردہ ہیں اس کا تاریخ کے بارہ میں کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتابیں نہ ہؤا کرتی تھیں اور حافظہ سے کام لینے کا رواج تھا۔ لوگ دس دس، بیس بیس ہزار بلکہ لاکھ لاکھ اور دو دو لاکھ اشعار زبانی حفظ کر لیا کرتے تھے۔ آج کون ہے جسے دو چار ہزار اشعار بھی یاد ہوں۔ اس

زمانہ میں جو قرآن کریم حفظ کرلے اسے حافظ کہتے ہیں۔ لیکن رسول کریم ﷺ کے کسی صحابی کو کوئی حافظ نہیں کہتا۔ حالانکہ اس زمانہ میں لوگ اس کثرت سے قرآن کریم حفظ کیا کرتے تھے کہ ایک لڑائی میں پانچ سو حافظ شہید ہوئے تھے۔ مگر حافظ کسی کو نہیں کہا جاتا۔ آجکل تو اگر کسی کو سارا قرآن حفظ نہ ہو تو بھی اسے حافظ کہہ دیتے ہیں۔ اگر پوچھو کیا آپ نے قرآن کریم حفظ کیا ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں سارا تو حفظ نہیں پانچ پارے کئے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو بھی آج کل حافظ کہا جاتا ہے جن کو قرآن کریم کا کچھ حصہ ہی یاد ہو۔ یہ حافظہ کی کمزوری کی علامت ہے۔ آجکل کتابوں اور نوٹ رکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ لوگ حفظ کرنے پر زور نہیں دیتے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں حفظ کرنے کا بہت رواج تھا۔ شاعروں کے ساتھ بعض لوگ ہوتے تھے جن کو راویہ کہتے تھے۔ ان کو ان کے سب اشعار یاد ہوتے تھے۔ گویا دس دس، بیس بیس ہزار اشعار یاد ہوتے تھے اور چونکہ مقابلہ میں بھی اشعار پڑھنے پڑتے تھے اس واسطے دوسرے شاعروں کے اشعار بھی ان کو یاد ہوتے تھے۔ اور اس طرح ان کو لاکھ لاکھ، دو دو لاکھ اشعار زبانی یاد ہوتے تھے۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ شاعروں پر بہت دادو دہش کیا کرتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ ان کے ذریعہ زبان زندہ رہتی ہے۔ اس کے وزراء نے خیال کیا کہ اس طرح تو یہ تمام خزانہ لٹا دے گا۔ اور اس سے روکنے کے لئے اسے مشورہ دیا کہ کوئی شرط انعام کے لئے ہونی چاہیئے تا بڑا شاعر ہی انعام حاصل کر سکے۔ اس طرح تو ہر ایک انعام لے جاتا ہے۔ یہ شرط ہونی چاہئے کہ آپ کے سامنے صرف وہی شاعر آئے جسے ایک لاکھ شعر زبانی یاد ہوں۔ چنانچہ اس شرط کا اعلان کر دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کا آنا بند ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حفظ کرنے کا رواج کم ہو چکا تھا۔ ایک بڑا شاعر تھا لوگوں نے ان سے ذکر کیا کہ بادشاہ نے ایسا حکم جاری کر دیا ہے۔ جس سے ملک کے ادب اور زبان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ آپ بادشاہ کے پاس جائیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ وہ بادشاہ کے دربار میں گئے اور اطلاع کرائی کہ ایک شاعر بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے۔ وزراء کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ آپ ملنا تو چاہتے ہیں مگر آپ کو معلوم ہے بادشاہ سے ملنے کی شرط کیا ہے؟

دربار کا ایک افسر یہ پیغام لے کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے بادشاہ سے ملنے کی شرط کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے کہ ایک لاکھ شعر یاد ہونے چاہئیں مگر آپ جا کر بادشاہ سے کہیں کہ یہ شرط نامکمل ہے۔ یہ بھی بتائیں کہ کیا ایک لاکھ شعر جاہلیت کے زمانہ سے آپ سننا چاہتے ہیں یا اسلام کے زمانہ کے اور پھر یہ بھی کہ عورتوں کے یا مردوں کے۔ بادشاہ کو اس بات کا علم ہؤا تو وہ سمجھ گیا کہ فلاں شخص ہو گا۔ پہلے بادشاہ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ بھی ملنے آئیں مگر وہ نہ آتے تھے۔ جب بادشاہ کو علم ہؤا کہ وہ آئے ہیں تو وہ ننگے پاؤں ان کے پاس آیا اور پوچھا آپ فلاں شخص ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اور پھر انہوں نے کہا یہ آپ نے کیا شرط لگا دی ہے جس سے علم، ادب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا وزراء کا تو اس شرط سے یہ منشاء تھا کہ شاعر انعام نہ حاصل کر سکیں مگر میرا مطلب اسے منظور کرنے سے صرف اس قدر تھا کہ کسی طرح آپ آئیں۔ آج سے یہ شرط منسوخ ہے۔ تو پرانے زمانوں میں حفظ پر بڑا زور دیا جاتا تھا مگر باوجود اس کے احادیث میں کتنا اختلاف ہے۔ کیا بخاری کی کوئی ایسی حدیث نہیں جو مسلم کے خلاف ہو اور کیا مسلم کی کوئی ایسی حدیث نہیں جو بخاری کے خلاف ہو۔ یہی حال ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ کا ہے۔ ہر ایک میں دوسری سے مختلف احادیث ہیں مگر کیا اس اختلاف کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ غیر مستند ہیں یا بخاری اور مسلم قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ نا قابلِ اعتبار صرف اسے کہا جاتا ہے جس کا طریقہ ہی قابلِ اعتبار نہ ہو۔ یوں تو روایت میں ہر کسی سے غلطی ہو سکتی ہے میں کسی مجلس میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ یوں ہؤا مگر ایک شخص کہہ دیتا ہے کہ یوں نہیں یہ واقعہ دراصل یوں ہؤا تھا مگر اسکے باوجود وہ مجھے اپنے سے زیادہ سچا سمجھتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ ان کو بھی غلطی لگ سکتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے نزدیک میری سند باطل ہو گی۔ نہ مجھے اس پر کوئی گلہ ہوتا ہے بلکہ میں بھی کہتا ہوں کہ ہاں یہی بات ٹھیک ہے جو آپ نے بیان کی۔ تو کسی واقعہ میں ہر شخص کو غلطی لگ سکتی ہے۔ مگر اس کی بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نا قابلِ اعتبار ہے۔ اس وقت صرف چند لوگ ایسے ہیں جن کے ذریعہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی باتیں مل سکتی ہیں۔ مفتی صاحب ہیں، شیخ یعقوب علی صاحب ہیں۔

بڑے تو یہی ہیں جو ایڈیٹر بھی تھے اور جن کو کثرت سے آپؑ کی باتیں سننے کا موقع ملا۔ تیسرے پیر سراج الحق صاحب مرحوم تھے ان کو بھی خوب باتیں یاد تھیں۔ مفتی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب بدر اور الحکم کے ایڈیٹر تھے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان پر بعض دفعہ ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے اس طرح ہیں جس طرح مُردہ کے لئے منکر نکیر ہوتے ہیں۔ ہم یونہی بات کرتے ہیں اور یہ چھاپ دیتے ہیں اور دشمن پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ مفتی صاحب کو تو آپ اپنے خاص صحابہ میں شمار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح شیخ یعقوب علی صاحب بھی آپ کے بڑے مقرب اور پیارے تھے۔ پس ان لوگوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ غیر مستند ہیں علمِ تاریخ سے ناواقفی کی بات ہے۔ یہ ٹھیک نہیں کہ کسی روایت کو غلط دیکھ کر ان لوگوں کی ذات پر حملہ کیا جائے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ اگر بخاری کی کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے تو امام بخاری پر حملہ کیا جائے۔ مسلم کی کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے تو امام مسلم پر حملہ کر دیا جائے۔ پرانے مفسرین کی تفاسیر پر ہم آج سو سو جرح کرتے ہیں مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ مفسرین ناقابلِ اعتبار ہیں۔ وہ لوگ اتنا کام کر گئے ہیں کہ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ہماری عمریں اس کام کی تکمیل میں صرف ہو جاتیں۔ انہوں نے ہر لفظ پر صرفی اور نحوی بحثیں کی ہیں۔ ہر عبارت پر معانی اور بیان کے لحاظ سے بحث کی ہے۔ ایک ایک واقعہ پر تاریخ کے لحاظ سے بحث کی ہے۔ ان میں بعض باتیں غلط بھی ہیں اور ٹھیک بھی ہیں۔ مگر اس قدر ذخیرہ وہ لوگ جمع کر گئے ہیں کہ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو آج ہم یہ کام نہ کر سکتے جو کر رہے ہیں۔ پس یہ کیسی حماقت اور ناشکری کی علامت ہے کہ کہا جائے کہ فلاں مفسر نے فلاں بات غلط لکھ دی۔ اس لئے وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ ابنِ حیان کی یہ بات صحیح نہیں، درمنثور کی یہ روایت غلط ہے۔ اس لئے وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ایسا کہنا بڑا ظلم اور تعدی ہے۔ ان کی ہزار باتوں میں سے اگر دو غلط ہیں تو کیا اگر وہ 998 باتیں جمع نہ کرتے تو ہم آج یہ کام کر لیتے جو کر رہے ہیں۔ اگر وہ لوگ اس زمانہ میں ہوتے تو وہ ضرور اس علم میں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے ہماری شاگردی اختیار

کرتے لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیں بھی ان کی شاگردی حاصل ہے۔ وہ ضرور ہمارے شاگرد ہوتے مگر ہم بھی ان کے شاگرد ہیں۔ ان کی تحقیقات کی وجہ سے جو انہوں نے ہمارے لئے کیں اگر کوئی بات انہوں نے غلط لکھ دی تو کیا ہوا۔ کیا انسان سے غلطیاں نہیں ہوتیں۔ کیا کوئی غلط بات لکھی جانے کی وجہ سے سند ہی اڑ جاتی ہے۔ ہمارے پاس یہی دو تین آدمی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی تاریخ سے واقف ہیں۔ اگر یہ سچے نہیں تو معترض جسے سچا سمجھتا ہے اس کا نام پیش کرے۔ میں اس کی روایات میں غلطی ثابت کر دوں گا مگر غلطی کی وجہ سے کسی کو غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میرے سامنے کی بات ہے حضرت خلیفہ اول نے قاضی امیر حسین صاحب کو ان سوالات کے بارہ میں جو پیغامیوں سے تعلق رکھتے تھے فرمایا کہ فلاں فلاں سے مشورہ کریں کہ ان کا کیا جواب دیا جائے۔ قاضی صاحب ابھی پوچھ ہی رہے تھے کہ یہ لوگ حضرت خلیفہ اول کے پاس پہنچے اور معافی مانگ لی۔ کچھ عرصہ بعد جب قاضی صاحب جوابات لے کر حضرت خلیفہ اول کے پاس آئے تو حضرت خلیفہ اول نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کو کس نے کہا تھا کہ یہ باتیں لوگوں سے کریں۔ حالانکہ قاضی صاحب کو آپ نے میرے سامنے فرمایا تھا مگر آپ بھول گئے۔ اب اس کے یہ معنے نہیں کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہ بے اعتبار ہیں کیونکہ انسان بھول بھی جاتا ہے۔ پھر بعض اوقات انسان بات کا مطلب غلط سمجھ لیتا ہے مگر اس وجہ سے اسے غیر مستند نہیں کہا جا سکتا۔ غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار اسے کہا جاتا ہے جو غلط طریق اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل اور سمجھ دی ہے اگر کوئی ایسی بات کسی روایت میں ہو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چلن اور کیریکٹر کے خلاف ہو، آپ کی عام تعلیم کے خلاف ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی کو غلطی لگی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غیر مستند ہے۔ تو انسان کو اس علم کے بارہ میں جسے وہ جانتا نہیں بات کرتے وقت بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ ایسی بات کرنے والا شخص علم تاریخ سے قطعاً ناواقف ہے۔ تاریخ کا علم بڑا پیچیدہ علم ہے۔ کسی تاریخی بات کو سمجھنے کے لئے اس زنجیر کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے جس سے وہ بات چلتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے علم میں دسترس رکھتا ہے تو اس کے

یہ معنے نہیں کہ وہ تاریخ کے علم کا بھی ماہر ہے۔ ایک بڑے سے بڑے فلاسفر کا ڈاکٹری کے علم میں ماہر ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح ایک بڑے سے بڑا ڈاکٹر لازماً فلاسفر نہیں ہو سکتا۔ اور جس علم سے واقفیت نہ ہو اس میں دخل دینا غلط طریق ہے۔ اور ایسی باتیں کرنا آداب کے خلاف ہے۔ مَیں بھی یہ مانتا ہوں کہ مفتی صاحب کی روایات میں غلطی ہو سکتی ہے اور اگر کہنے والے کے علم میں ایک بات غلط ہے تو ممکن ہے میرے نزدیک دس باتیں غلط ہوں لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کی خدمات اور اس احسان میں جو تاریخ لکھ کر انہوں نے جماعت پر کیا ہے کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ غلطیاں شاید میں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں مگر ان کی بناء پر ان کو ناقابل اعتبار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح میں نے بتایا ہے کہ پرانے مفسرین کی کسی غلط بات کی بنیاد پر ان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بعض نادان مجھ سے یہ بات سن کر کہ پرانے مفسرین نے فلاں بات غلط لکھی ہے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان تفسیروں میں کیا رکھا ہے مگر مَیں جس سے کسی غلط بات کا علم حاصل کر کے وہ یہ الفاظ کہتے ہیں ان کے احسان کو مانتا ہوں اور میری گردن ان کے بارِ احسان سے اٹھ نہیں سکتی۔ اگر وہ لوگ لغوی، صرفی، نحوی بحثیں نہ کرتے اور وہ ذخائر جمع نہ کر جاتے، اگر وہ اس قدر وقت صرف نہ کرتے تو آج ان باتوں پر ہمیں وقت لگانا پڑتا۔ پھر اگر ہم ان کے ممنون نہ ہوں تو یہ غداری اور ناشکری ہو گی۔ انہوں نے قرآن کریم کی ایسی خدمت کی ہے کہ اگر وہ آج ہوتے تو بے شک وہ اس احسان کی بھی قدر کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ کیا ہے مگر اس حصہ میں جو خدمت قرآن میں ان کا ہے ہم بھی ان کی شاگردی سے دریغ نہ کرتے۔

پس ہمارے نوجوانوں کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی عزت واحترام میں فرق نہ لانا چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جو کچھ کہیں اسے مان لیں۔ میں خود بھی ہر بات کو نہیں مانتا مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ اگر کوئی بات غلط ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے اس وقت راوی کی توجہ کسی اور طرف ہو ممکن ہے اس نے ساری بات سنی ہی نہ ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے ساری بات سنی تو ہو مگر غلط سمجھی ہو۔ مگر اس کی وجہ سے اسے ناقابلِ اعتبار نہیں کہا جا سکتا۔ ایسا کہنا فطرت کے

مطالعہ کا فقدان ہے کہ جو بات بھی کوئی کرے دوسرا اسے ضرور سمجھتا ہے اور اگر وہ اسے درست طور پر بیان نہیں کر سکتا تو وہ یا جھوٹا ہے یا جاہل۔ بڑے سے بڑا عالم اور بڑے سے بڑا راستباز بھی بعض اوقات کسی بات کو غلط سمجھ سکتا ہے اور اس پر ایسے وقت آسکتے ہیں جب اس کی توجہ دوسری طرف ہو اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ توجہ ہونے کے باوجود کوئی انسان کسی بات کو غلط سمجھے۔

اس جگہ اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم میں بھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی تصانیف میں بھی دو چار مقام ایسے ہیں کہ جو عربی کے عام مروجہ قواعد کے خلاف ہیں۔ مگر قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے قادر الکلام بنایا تھا۔ اس لئے ایسی عبارات کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ جو قادر الکلام ہو اس کا حق ہوتا ہے کہ جہاں چاہے کوئی دوسرا قاعدہ جاری کر دے۔ مگر یہ استثناء کے طور پر ہے۔ اس کے بالمقابل بہاء اللہ نے عربی میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ ادبی لحاظ سے بہت غلط ہیں۔ وہ اس استثناء کے ماتحت نہیں آسکتیں۔ اسی طرح اس زمانہ کے بعض ملہم ہیں وہ بھی اپنے غلط عربی الہامات کے متعلق یہی استثناء پیش کر دیتے ہیں مگر ان کا یہ حق نہیں کہ کوئی نیا قاعدہ جاری کریں۔ قادرالکلام کی غلطی اور ہے اور جاہل کی اور۔ ایک ڈاکٹر کے ہاتھ سے بھی لوگ مر جاتے ہیں اور عطائی کے ہاتھ سے بھی مگر ڈاکٹر جسے مارتا بھی ہے سائنس سے مارتا ہے اور عطائی جہالت سے مارتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر یا کسی بھی طب کا واقف شخص اگر غلطی بھی کرے گا تو وہ سائنس کے ماتحت ہو گی مگر عطائی کی غلطی جہالت کے ماتحت ہو گی۔ ڈاکٹر کے ہاتھ سے کسی کا مرنا اتفاقی امر ہو گا لیکن ناواقف کے ہاتھ سے کسی کا صحتیاب ہونا اتفاقی امر ہو گا۔ تو جن لوگوں کو انبیاء کی محبت حاصل ہوتی ہے ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں مگر وہ اتفاقی ہوتی ہیں۔ اور غلطی کے امکان کے باوجود یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں اسے اگر کہا جائے کہ آپؑ کے زمانہ کی تاریخ لکھو تو وہ کیا لکھ سکتا ہے۔ وہ بھی لازماً ان لوگوں کے پاس ہی جانے پر مجبور ہو گا۔ پس کسی بات کی وجہ سے انہیں غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار قرار دینا درست نہیں۔

غلطی کا ہونا اور بات ہے اور غلط کار ہونا اور بات ہے۔ ہم کسی بڑے سے بڑے موقع کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کفر کی بات ہے مگر اس کی وجہ سے اسے کافر نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح کسی بات کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ مصنف ناقابلِ اعتبار اور غیر مستند ہے۔"

(الفضل 24 اگست 1943ء)

1: بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من النیاحة علی المیت